آرا و افکار

کے ایم اعظم

اسلامی حکومت سرحد: پس چہ باید کرد

[درج ذیل مقالہ ۲۱ جنوری ۲۰۰۳ء کو ہمدرد سنٹر لاہور میں مجلس فکر ونظر کے زیر اہتمام ''پاکستان میں نفاذ اسلام کی ترجیحات'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں پڑھا گیا۔ مقالے کا ابتدائی حصہ موضوع سے براہ راست متعلق نہ ہونے کی بنا پر شامل اشاعت نہیں کیا جا رہا۔ (مدیر)]

ملک کے پژمردہ پس منظر میں حالیہ انتخابات میں اسلامی جماعتوں کی غیر معمولی کام یابی امید کی ایک کرن لے کر آئی ہے مگر کئی ایک زعمانے اس شک کا بھی اظہار کیا ہے کہ یہ کامیابی اسلامی نقطہ نگاہ سے شاید خاطر خواہ نتائج پر منتج نہ ہوگی۔ معاشرتی طور پر پاکستان کے مسائل نہایت گھمبیر ہیں۔ ان کا کوئی حل بنیادی اور سٹرکچرل تبدیلیوں کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بہر حال اس یادداشت کا مقصد ایک ایسے قابل عمل پروگرام کی تشکیل ہے جس پر فوری طور پر عمل پذیر ہو کر اسلامی حکومت سرحد سرخرو ہو سکتی ہے۔ مجھے تو اس میں بھی مشیت الٰہی نظر آ رہی ہے کہ ایک مکمل اسلامی حکومت صرف صوبہ سرحد میں ہی تشکیل پذیر ہوئی ہے، کیونکہ صوبہ سرحد میں اسلامی نظام کے قیام میں دوسرے صوبوں کی نسبت کم مشکلات پیش آئیں گی۔ اس کی بڑی وجہ وہاں کا قبائلی نظام اخلاق ومعاشرت ہے۔ حکومت سرحد کو میرا مشورہ یہ ہے کہ فی الحال صرف چار محاذوں پر اپنی توجہ مرکوز کرے اور وہ ہیں: عدل وانصاف، تعلیم، احتساب اور معیشت۔

۱۔ نظام تعلیم

ہمارا مرکزی مسئلہ انسان سازی کا ہے اور یہ دقت طلب اور صبر آزما کام ہے۔ اس کے لیے ہمیں اپنی منزل کا غیر مبہم شعور ہونا چاہیے تاکہ اس کے حصول کے لیے جس قسم کے انسان ہمیں درکار ہوں، اسی قسم کا نظام تعلیم ہم تشکیل دے سکیں۔ پاکستان کو اس وقت ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو توحید اور اتباع رسول ﷺ میں اولوالعزم ہوں اور جن کا جذبہ ایمانی اقدار اور افکار کی حدود سے گزر کر کردار کا حصہ بن گیا ہو۔ وہ ایسے رجال ہوں جو دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں، خوف اور طمع پر توحید الٰہی کی ضرب کاری لگا چکے ہوں اور ان کی تیغ برہنہ کے پیچھے جذبہ ایمانی، فراست دینی،

تعلق باللہ، حب رسول ﷺ، بلندی فکر اور جوش عمل کا ایک حسین امتزاج ہو۔ مزید براں ان کے دلوں میں یہ یقین کامل گھر کر چکا ہو کہ سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس سے سچی محبت ہے۔ ہر پاکستانی کو بھی اس کا شعور ہونا چاہیے کہ پاکستان کو اسلام کا مضبوط قلعہ تبھی بنایا جا سکتا ہے جبکہ ہم میں سے ہر ایک بجائے خود اس کا ایک چھوٹا سا قلعہ بن جائے۔ جب تک ہمارا نظام تعلیم باکردار، حق گو اور انسان دوست افراد پیدا نہیں کرے گا، جمہوریت کی روایت ہمارے معاشرہ میں جڑ نہ پکڑ سکے گی۔ ہمارا بنیادی مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی، معاشرتی اور دینی ادارے ایسے روشن ضمیر، درخشاں جبیں اور دلکش مسلمان پیدا نہیں کر پا رہے جن کو دیکھنے کی آرزو اور تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لیے ہوئے ہے۔ مدارس، مساجد اور خانقاہیں تو موجود ہیں مگر ان میں فکر و دانش اور وجدان کی شمعیں گل ہو چکی ہیں۔ انسان سازی میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ جو منکسر مزاج ہے، وہ کمزور ہے اور جو طاقتور ہے، وہ ظالم ہے۔ جو صاحب علم ہے، وہ صاحب کردار نہیں اور جو صاحب کردار ہے، وہ صاحب حکمت نہیں۔ جو صاحب ایمان ہے، وہ صاحب عمل نہیں اور جو صاحب عمل ہے، وہ بے ایمان ہے۔ موجودہ ناقص نظام تعلیم کے تحت سو فیصد خواندگی سے بھی ہمارے ہاں جمہوری روایت قائم نہ ہوگی بلکہ وہ ایسے لوگ ہی پیدا کرے گا جن کا مطمح حیات دولت کمانے کے لیے سیاسی قوت حاصل کرنا ہوگا یا پھر سیاسی قوت حاصل کر کے دولت کمانا۔

ہمارے نظام تعلیم کا مقصد ایسے انسان پیدا کرنا ہونا چاہیے جو ماضی سے پر جوش تعلق کو قائم رکھتے ہوئے معاشرہ کو مستقبل کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یقیناً وہ ایسے افراد نہیں ہونے چاہییں جن کا مستقبل ان کے ماضی میں ہو۔ مزید وہ ایسے انسان ہوں جن میں اپنے زمینی حالات کا صحیح ادراک کر کے کارگر حکمت عملی بنانے کی صلاحیت ہو۔ ہماری دینی تعلیم کا مقصد ان مذہبی رسم و رواج سے آزادی ہونا چاہیے جنھوں نے انسان کے فکر و عمل کو اپنا قیدی بنایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم کے خدوخال کی نشاندہی اللہ جل جلالہ نے رسول اکرم ﷺ کو تفویض کیے گئے چار فرائض کے ذریعے کر دی ہے اور یہ ہیں: تلاوت، تزکیۂ نفس، کتاب کی تعلیم اور حکمت کا سکھانا۔ (البقرہ)

ہمارے نظام تعلیم کا ہدف کردار سازی کے علاوہ اپنے تلامذہ میں صلاحیت اور حوصلہ پیدا کر کے استعماری تہذیب اور اس کی عریاں ثقافت کے سامنے بند باندھنا ہونا چاہیے۔ ہمارے موجودہ تعلیمی ادارے انسان سازی میں ناکام رہ گئے ہیں۔ تاریخ عالم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تاریخ سازی میں صرف صاحب کردار لوگوں ہی نے رول ادا کیا ہے۔ منافقوں کا اس میں کوئی رول نہیں ہے۔ اگر پاکستان کو اس کے انحطاط سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ایک مثبت پروگرام (تعلیم و تربیت اور میڈیا) کے تحت پاکستانیوں کو منافقت کی دلدل سے نکالیں۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ منافقت سے نجات حاصل کیے بغیر ہماری کوئی بھی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار نہ ہوگی۔

منافقت کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا

بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پر داستان گلاب لکھنا

۲۔ عدل وانصاف

اقتصادی اور معاشرتی سرگرمیاں صرف قانونی، اقتصادی اور معاشرتی عدل وانصاف کے ڈھانچے میں جاری وساری رہ سکتی ہیں۔ جب تک کسی معاشرے میں قانون کی حکمرانی قائم نہیں ہوتی، اس وقت تک معاشرے کے ارکان کو یہ اطمینان نصیب نہیں ہوتا کہ ان کی محنت اور مشقت کا صلہ انہیں کسی رکاٹ اور دشواری کے بغیر ملتا رہے گا۔ ایسی یقین دہانی اور اطمینان کے بغیر معاشرے کا کوئی شخص بھی اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ تاریخ عالم اس امر کی واضح طور پر شہادت دیتی ہے کہ دو نظام دنیا میں کبھی نہیں چل سکتے۔ ایک وہ اقتصادی نظام جس میں سرمایہ کاری کی صلاحیت اور گنجائش موجود نہ ہو اور دوسرا وہ سیاسی نظام جس میں جبر وتشدد اور ظلم وستم کارفرما ہو، اور جس کا رخ عوام کی فلاح وبہود اور مسرت وخوش حالی کی طرف نہ ہو۔

۳۔ احتساب

ہر وہ معاشرہ اور سیاسی نظام جو انقلابی خصوصیات کا حامل ہو اور جامد نہ ہو، اس میں اصلاح اور تنزل کے ہر دو رجحانات بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔ ان رجحانات کی اصلی وجہ اندرونی اور بیرونی یا باطنی اور خارجی دونوں ہو سکتی ہیں۔ ایک کمزور نظام، جیسا کہ ہمارا موجودہ نظام ہے، اور جس کی بنیاد نوآبادیاتی ورثے پر رکھی گئی ہے گزشتہ نصف صدی سے تنزل اور تباہی وبربادی کے اثرات تیزی سے قبول کر رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ نظام فرسودہ ہونے کی وجہ سے جان کنی کے عالم میں ہے۔

انقلابی اور حرکی نظام ہر آنے والے چیلنج کا موثر مقابلہ کرتا ہے اور اس احتساب کی بدولت مزید طاقت حاصل کر کے زندہ وقائم رہتا ہے لیکن اس کے برعکس پیش آنے والے ہر چیلنج کا متحد، منظّم اور مستحکم ہو کر مقابلہ کرنے کی بجائے ہماری قوم کا ردعمل ہمیشہ منقسم، منتشر اور کمزور رہا ہے۔ ہماری قوم کا امتیازی وصف یہ ہے کہ ہم مشکل اور خرابی کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال کر خود بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بات یہ نہیں کہ ہم میں دوسری قوموں کے مقابلے میں برے افراد کی تعداد زیادہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اچھے لوگ، اتنے اچھے نہیں جتنا انہیں ہونا چاہیے تھا اور درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو بحران اور پیش آنے والے چیلنج کے موقع پر کھڑے ہو کر اور ڈٹ کر مقابلہ نہیں کرتے۔ حکومت سرحد کو چاہیے کہ مثبت اور قومی نظام احتساب قائم کر کے لوگوں پر یہ عیاں کر دے کہ اب ظلم اور برائی کر کے ان کے لیے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ نیز حکومت سرحد کو چاہیے کہ تمام اموال فاضلہ بحق سرکار ضبط کر کے اپنی مالی پوزیشن مضبوط کر لے۔

۴۔ معیشت

پاکستان میں اب تک اسلامی نظام معیشت پر اتنا کام ہو چکا ہے کہ اسلامی اقتصادی ماڈل کے خدوخال پوری طرح عیاں ہو گئے ہیں۔ حکومت سرحد کو چاہیے کہ وفاقی حکومت (وزارت مالیات اور وزارت مذہبی امور) اور اسٹیٹ بنک کی ساری رپورٹیں اور یادداشتیں حاصل کر لے۔ بہرحال ان کو میرا مشورہ یہ ہے کہ چونکہ موجودہ معاشی اور معاشرتی حالات میں اسلامی اقتصادی ماڈل کی تمام شرائط پوری نہ ہو سکیں گی، اس لیے وہ ابھی غیر سودی نظام کے قیام کی دلدل میں نہ پھنسے بلکہ اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لیے اقدام کرے تا کہ عوام کو ان کی اصلاحات سے براہ راست فائدہ پہنچ سکے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

اس اسلامی فلاحی نظام کے قیام کے سلسلہ میں میری تدابیر اور تجویزات یہ ہیں:

۱۔ ماضی اور مستقبل کے ان تمام قرضوں پر جو غریب طبقات نے بنیادی ضروریات زندگی کے لیے حاصل کیے ہوں یا لیے جائیں مثلاً مکان، صحت اور تعلیم، سود معاف کر دیا جائے۔

۲۔ دیانت داری پر مبنی کاروبار کی تشہیر کی جائے اور سٹہ بازی کی روک تھام کے ذریعے سرمایہ کاری مارکیٹ کو مستحکم کیا جائے۔

۳۔ سادہ زندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ٹھاٹھ باٹھ پر مبنی شاہانہ اخراجات کا خاتمہ کیا جائے۔

۴۔ رشوت ستانی اور بدعنوانی کا خاتمہ کر کے ہمارے تعلیمی نظام کو بین الاقوامی معیار کے مطابق لایا جائے۔

۵۔ مسکین اور بے کس لوگوں کے لیے انصاف کو یقینی بنایا جائے کیونکہ عدل وانصاف کے بغیر کوئی معیشت ترقی نہیں کر سکتی۔

۶۔ اعلیٰ سطح پر جاری کرپشن، رشوت اور بدعنوانی کا فوری طور پر خاتمہ کیا جائے۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ کرپشن کا مطلب صرف رشوت نہیں ہوتا بلکہ سرکاری عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے اپنے عہدہ کا ناجائز استعمال نیز خودغرضی پر مبنی طاقت کا استعمال اور ہر قسم کے نامناسب اور ناموزوں طریقے کرپشن کی ذیل میں آتے ہیں۔

۷۔ تمام سرکاری اداروں سے سیاست کا اثر ورسوخ اور عمل دخل یکسر ختم کیا جائے اور انہیں اس قابل بنایا جائے کہ وہ تمام بھرتیاں، تبادلے اور تعیناتیاں صرف قابلیت اور اہلیت کی بنیاد پر کریں۔

۸۔ تمام افراد کے لیے روزگار کا انتظام کیا جائے اور اس سلسلے میں روزگار کے لیے دس لاکھ تک مالیت کے قرضے بغیر سود ائمہ مساجد کی اخلاقی ضمانت پر دیے جائیں۔

۹۔سب لوگوں کو رہائش فراہم کی جائے ،کم آمدنی والے لوگوں کو رہائش دی جائے جبکہ درمیانے درجہ کی آمدنی والے لوگوں کو آسان قسطوں پر مکانات خریدنے کی سہولیات دی جائیں۔

۱۰۔سب لوگوں کو صاف ،تازہ اور مصفا پانی پینے کے لیے فراہم کیا جائے۔نیز نکاسی آب کا بہترین بندوبست کیا جائے۔

۱۱۔تمام افراد کے لیے مناسب اور موزوں لیکن مفت صحت کی خدمات مہیا کی جائیں۔

۱۲۔میٹرک کی سطح تک مفت لازمی تعلیم فراہم کی جائے اور میٹرک سے اوپر کے درجوں میں قابلیت کی بنیاد پر مفت اور رضاکارانہ تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

۱۳۔تمام غریبوں اور مفلسوں کے لیے سوشل سکیورٹی کی خدمات کا اجرا کیا جائے۔مزید براں بے روزگاروں اور معذور افراد کو بھی یہ سہولتیں مہیا کی جائیں۔

۱۴۔مناسب مزدوری،معاوضوں،تنخواہوں اور پنشن کا بندوبست کیا جائے۔

۱۵۔دولت کے غیر قانونی ارتکاز اور پیداواری وسائل پر ناجائز ملکیتوں کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔اس طرح پاکستان کے تمام شہریوں کے لیے اللہ تعالی کی جانب سے عطا کیے گئے رزق پر تمام غیر قانونی قبضے ختم ہو جائیں گے۔

۱۶۔معاشرے سے ہر قسم کے ظلم وجبر،جور واستبداد اور زیادتی واستحصال کا خاتمہ کر دیا جائے اور اسلام کے عطا کیے گئے اصولوں یعنی عدل واحسان کے ذریعے معاشرتی توازن قائم کیا جائے۔

کل پاکستان مقابلہ اقبال ایوارڈ محمد یونس خان میو نے جیت لیا

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ اقبالیات کے چیئرمین اور نامور اقبال شناس اور مفکر پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی نے اعلان کیا ہے کہ ۲۰۰۰ء کے دوران اوپن یونیورسٹی کے زیر اہتمام ملک کی تمام یونیورسٹیوں میں ایم فل سطح پر اقبالیات کے موضوع پر لکھے جانے والے مقالات کے مقابلے میں اوپن یونیورسٹی کے طالب محمد یونس خان میو (اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ انٹر کالج آف کامرس، ڈسکہ) کا تحقیقی مقالہ بعنوان ''علامہ اقبال اور مولانا اشرف علی تھانوی، افکار کا تقابلی مطالعہ'' تمام مقالوں میں بہترین پایا گیا اور اسے پہلے انعام ''اقبال ایوارڈ'' مبلغ بیس ہزار روپے کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔یہ ایوارڈ بین الاقوامی اقبال سیمینار اسلام آباد میں پروفیسر ڈاکٹر سید الطاف حسین نے ملکی وغیر ملکی مندوبین کی موجودگی میں محمد یونس خان میو کو دیا۔